24

قبولیتِ دُعا کے طریق

نمبر ۲

(فرمودہ ۲۸ جولائی ۱۹۱۶ء)

تشہد و تعوذ و سورۃ فاتحہ کے بعد مندرجہ ذیل آیت پڑھ کر فرمایا۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ۝ (البقرہ: ۱۸۷)

بہت سی باتیں بظاہر ہلکی اور چھوٹی نظر آتی ہیں اور جن لوگوں نے ان کے فوائد سے محروم رہنا ہوتا ہے وہ ان کو بے حقیقت اور معمولی سمجھ کر ان پر سے اندھوں کی طرح گذر جاتے ہیں۔ لیکن ان پر عمل کرنے سے بہت بڑے اور اعلیٰ درجہ کے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو سارے پڑھے لکھے آدمی خط لکھتے ہیں لیکن سب کا خط خوبصورت نہیں ہوتا۔ لکھنے والی قلم، سیاہی اور کاغذ ایک ہی طرح کا ہوتا ہے۔ پھر ہاتھ بھی ایک ہی ایسا ہوتا ہے۔ وہی پانچوں انگلیاں سب کی ہوتی ہیں جو ایک خوشنویس کی ہوتی ہیں۔ ایک ہی طرح کے گوشت ہڈیوں اور نسوں سے بنی ہوتی ہیں۔ مگر جب ایک لکھتا ہے تو ایسا خوبصورت کہ دیکھنے والے کی طبیعت خوش ہو جاتی ہے اور جب دوسرا لکھتا ہے تو ایسا کہ دیکھنے والے کی طبیعت مکدّر ہو جاتی ہے۔ دونوں خطوں میں بڑا فرق ہوتا ہے اور دونوں کا اپنے اپنے رنگ میں بڑا اثر پڑتا ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے اعلیٰ اور عمدہ خط کی طرف انسان کی طبیعت خود بخود کھنچتی ہے۔ گو میرا اپنا خط کوئی ایسا اچھا نہیں۔ لیکن میری ڈاک میں جو خط اچھے لکھے ہوتے ہیں۔ ان کو مَیں پہلے پڑھتا ہوں۔ تا کہ آسانی سے پڑھ سکوں اور جو مشکل سے پڑھے جاتے ہیں ان کو بعد میں پڑھتا ہوں۔ تو خوبصورت خط کا ایک فوری اثر ہوتا ہے۔ لیکن جانتے ہو خط کی خوبصورتی کہاں سے آتی ہے

اگر کہو۔ ہاتھ سے۔ تو ہاتھ تو سب کے ہوتے ہیں۔ اگر کہو۔ قلم سے تو قلم بھی سب کے پاس ہوتی ہے۔ اگر کہو۔ سیاہی سے۔ تو سیاہی بھی ہر ایک رکھتا ہے۔ اور اگر کہو کاغذ سے۔ تو کاغذ بھی ہر ایک کے پاس ہوتا ہے۔ پھر وہ کیا چیز ہے۔ جس کی موجودگی ایک کے خط کو بہت عمدہ اور خوبصورت بنا دیتی ہے اور جس کی عدم موجودگی دوسرے کے خط کو بدصورت اور بدنما بنا دیتی ہے۔ یہ دراصل ایک معمولی سی حرکت اور خفیف سا پیچ ہوتا ہے اگر اس کے متعلق کوئی خوشنویس بتائے تو سننے والا حیران ہو کر کہہ دیگا کہ کیا اس ذراسی حرکت کے نتیجہ میں ایسا اعلیٰ نتیجہ ہو جاتا ہے۔ لیکن دراصل بات تو یہی ہے کہ نہایت خفیف سی حرکت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ بہت خوبصورت خط ہوتا ہے اور اسی کی کمی سے بڑا بدصورت نظر آتا ہے اس حرکت کو جاننے والے بڑے بڑے اعلیٰ درجہ کے خوشنویس گذرے ہیں ہندوستان میں ایک خوشنویس تھا۔ جب کوئی فقیر اس کے پاس مانگنے کے لئے آتا۔ اور وہ اس پر مہربان ہوتا۔ تو اسے ایک حرف لکھ کر دے دیتا۔ اس کا ایک حرف آسانی سے ایک روپیہ کو بک جاتا۔ جس طرح آجکل قطعے نمائش کے لئے لگائے جاتے ہیں۔ اسی طرح اس کے ایک ایک حرف کو زینت کے طور پر لوگ لگاتے تھے لیکن اس میں کوئی نئی چیز نہیں تھی۔ صرف ہاتھ کی حرکت ہی تھی۔ جو اس کے خط کو خوبصورت کر دیتی تھی۔ اس کو اگر وہ بیان کرتا۔ تو ہر ایک اس بات کو نہ سمجھ سکتا۔ کہ اتنی سی معمولی حرکت سے ایسا خوبصورت حرف کس طرح لکھا جا سکتا ہے لیکن خوبصورتی کا باعث وہی حرکت تھی۔

تمام پیشوں کا یہی حال ہے۔ ایک ہی لکڑیاں چیرنے والا آرہ۔ اور ایک ہی طرح کے سب آدمی ہوتے ہیں مگر ایک کی بنائی ہوئی چیز ایسی عمدہ ہوتی ہے۔ کہ انسان اس کی طرف سے آنکھیں نہیں ہٹانا چاہتا۔ اور دوسرے کی ایسی ہوتی ہے کہ دیکھ کر منہ پھیر لیتا اور کہتا ہے کہ اس نے تو لکڑی کو ہی خراب کر دیا ہے ان دونوں کی بنائی ہوئی چیزوں میں اتنا بڑا فرق پیدا کرنے والی بھی ایک حرکت ہی ہوتی ہے۔ جسے اگر بیان کیا جائے تو سننے والا حیران رہ جائے۔ کہ یہ اس بات کا موجب کس طرح ہو سکتی ہے۔ اسی طرح کھانا پکانے والے ہیں۔ ایک ایسا اعلیٰ درجہ کا پکاتا ہے کہ اگر انسان کو بھوک نہ بھی ہو تو بھی دیکھکر اشتہاء پیدا ہو جاتی ہے۔ اور ایک ایسا پکاتا ہے۔ کہ اگر سخت بھوک لگی ہوئی ہو تو بھی کھانا دیکھ کر

بند ہو جاتی ہے۔ اگر اس اچھا کھانا پکانے والے سے پوچھا جائے کہ تم نے کس طرح پکایا ہے تو یہ نہیں ہو گا کہ وہ ترکیبوں اور احتیاطوں کے کوئی دو تین صفحے لکھا دے گا بلکہ یہی کہے گا کہ جس طرح سب لوگ پکاتے ہیں اسی طرح میں نے بھی پکایا ہے۔ میں کوئی نئی ترکیب تو نہیں جانتا۔ یا اگر زیادہ کرے گا تو یہ کہہ دے گا کہ نمک مرچ اس طرح ڈالتا ہوں۔ مسالہ اس طرح بھونتا ہوں۔ آگ اس قدر جلاتا ہوں وغیرہ۔ ان باتوں کو سُن کر پوچھنے والا سمجھے گا کہ یہ مجھ سے دھوکہ کر رہا ہے اور اصل بات نہیں بتاتا۔ اس طرح تو میں پہلے ہی کرتا ہوں لیکن اصل اور درست بات وہی ہوتی ہے جو وہ بتا رہا ہوتا ہے۔ یہی حال عمارت بنانے والوں کا ہے۔ یہی علم پڑھانے والوں کا۔ ایک مدرس کی بات بہت کم طالب علم سمجھتے ہیں۔ لیکن دوسرے کی ہر ایک سمجھ جاتا ہے اس کو بیان کرنے کی ایک معمولی مشق ہوتی ہے اسے اگر وہ بیان کرے تو لوگ بہت معمولی سمجھیں۔ اسی طرح اور کئی باتوں کو معمولی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہی معمولی باتیں بہت بڑے نتائج پیدا کرنے کا موجب ہو جاتی ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے میں نے سُنا۔ آپ کسی عورت کا قصہ بیان فرماتے کہ اس کا ایک ہی لڑکا تھا۔ وہ لڑائی پر جانے لگا۔ تو اس نے اپنی ماں کو کہا کہ آپ مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جو میں اگر واپس آؤں تو تحفہ کے طور پر آپ کے لئے لیتا آؤں اور آپ اسے دیکھ کر خوش ہو جائیں۔ ماں نے کہا۔ اگر تو سلامت آجائے تو یہی بات میرے لئے خوشی کا موجب ہو سکتی ہے لڑکے نے اصرار کیا اور کہا آپ ضرور کوئی چیز بتائیں۔ ماں نے کہا۔ اچھا اگر تم میرے لئے کچھ لانا ہی چاہتے ہو تو روٹی کے جلے ہوئے ٹکڑے جس قدر زیادہ لا سکو لے آنا۔ میں انہیں سے خوش ہو سکتی ہوں۔ اس نے اس کو بہت معمولی بات سمجھ کر کہا کہ کچھ اور بتائیں۔ لیکن ماں نے کہا۔ بس یہی چیز مجھے سب سے زیادہ خوش کر سکتی ہے۔ خیر وہ چلا گیا۔ جب وہ روٹی پکاتا تو جان بوجھ کر اسے جلاتا تا جلے ہوئے ٹکڑے زیادہ جمع ہوں۔ روٹی کا اچھا حصہ تو خود کھا لیتا اور جلا ہوا حصہ ایک تھیلے میں ڈالتا جاتا۔ کچھ مدت کے بعد جب گھر آیا۔ تو اس نے جلے ہوئے ٹکڑوں کے بہت سے تھیلے اپنی ماں کے آگے رکھ دیئے۔ وہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اس نے کہا۔ اماں! میں نے آپ کے کہنے پر عمل تو کیا ہے۔ مگر مجھے ابھی تک معلوم نہیں ہوا کہ یہ بات کیا تھی۔ ماں نے کہا اس وقت جبکہ تم گئے تھے اس کا

بتانا مناسب نہ تھا۔ اب مَیں بتاتی ہوں۔ اور وہ یہ کہ بہت سی بیماریاں انسان کو نیم پختہ کھانا کھانے کی وجہ سے لاحق ہو جاتی ہیں۔ مَیں نے جلے ہوئے ٹکڑے لانے کے لئے اس لئے کہا کہ تم ان ٹکڑوں کے لئے روٹی کو ایسا پکاؤ گے کہ وہ کسی قدر جل بھی جائے گی۔ جلی ہوئی کو رکھ دو گے اور باقی کھا لو گے۔ اس سے تمہاری صحت بہت اچھی رہے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہؤا۔

یہ کیا چھوٹی سی بات تھی۔ لیکن درحقیقت اس کے بچہ کو بچانے کا موجب ہو گئی۔ سپاہی چونکہ جلدی جلدی کھانا پکا کر کھا لیتے ہیں اور اس طرح اکثر کچا رہتا ہے اس لئے انہیں پیچش اور محرقہ وغیرہ امراض اکثر لاحق رہتی ہیں۔ اس کی ماں نے ایسی بات بتائی جو بظاہر تو بہت معمولی تھی مگر جب اس نے اس پر عمل کیا تو بہت بڑا فائدہ اٹھایا یعنی اس سے اس کی صحت سلامت رہی۔

یہ مَیں نے تمہید کیوں بیان کی ہے اس لئے کہ جو کچھ مَیں نے پچھلے جمعہ کو بیان کیا تھا۔ اور جو آج کرنے لگا ہوں وہ بظاہر سننے میں بہت معمولی معلوم ہؤا ہو گا۔ اگر وہ ایسا ہی معمولی ہے جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے کہ خوبصورت لکھنے والے۔ عمدہ اشیاء بنانے والے۔ اعلیٰ کھانا پکانے والے کے ہاتھ کی حرکت ہے۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ جن کی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ وہ کوئی خاص گر جانتے ہیں۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ ان کے پاس بھی وہی گُر ہوتا ہے مگر وہ استعمال نہیں کرتے۔ اس لئے ان کی دعائیں ردّ کی جاتی ہیں اور جو استعمال کرتے ہیں ان کی قبول ہوتی ہیں۔ پس تم لوگ ان کو معمولی نہ سمجھو وہ گو معمولی نظر آتی ہیں مگر نتائج اعلیٰ رکھتی ہیں۔ جب تم ان باتوں کو سُنو گے جو اب مَیں سُنانا چاہتا ہوں تو کہو گے کہ یہ معمولی باتیں ہیں۔ ان کو ہم بھی جانتے ہیں مگر جاننا اور بات ہے اور عمل کرنا اور بات۔ غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب مسیح موعود ہو کر کیا آئے جس دن سے آئے ہیں اسی دن سے لوگوں پر ہلاکت اور تباہی آ رہی ہے۔ ہم کہتے ہیں ان کا آنا ہلاکت اور تباہی سے نہیں بچا سکتا۔ بلکہ ان کا ماننا بچاتا ہے۔ پس ہمیں یہ بتایا جائے کہ کتنوں نے آپؑ کو مانا ہے۔ جب آپ کو مانتے نہیں تو پھر تباہیوں سے کس طرح بچیں تو کسی بات کا جاننا یا زبانی ماننا اس وقت تک کوئی فائدہ نہیں دیتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کیا جائے۔

گذشتہ جمعہ میں مَیں نے دعا کے قبول ہونے کے لئے دو باتیں بتائی تھیں

ان میں سے ایک یہ تھی کہ انسان اپنے اعمال میں پاکیزگی پیدا کرے اور خدا تعالےٰ کے ہر ایک حکم کو بجالائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ جس سے انسان خوش ہوتا ہے اس کو انعام دیتا ہے اسی طرح جس پر خدا تعالےٰ خوش ہوتا ہے اسی پر انعام کرتا ہے اس طریق کو سنکر بعض لوگ کہہ دیں گے کہ یہ تو ایک بڑی بات ہے ہمیں پہلے اپنے اعمال کی درستی کے لئے ہی دعا کی ضرورت ہے کیونکہ دعا تو تب قبول ہوگی، جبکہ اعمال درست ہوں گے اور اعمال اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک کہ خدا تعالےٰ ہماری دستگیری نہ کرے اس لئے کوئی ایسی بات بتاؤ۔ جس پر عمل کرنے سے ہمارے جیسے کمزور ایمان اور کمزور اعمال والے انسانوں کی دعائیں بھی قبولیت کا شرف حاصل کر سکیں۔ کیونکہ ہم کو بہ نسبت دوسروں کے بہت زیادہ ضرورت ہے تا کہ ہمارے اعمال دعا کے ذریعہ درست اور مضبوط ہوں اور ہمیں کامل ایمان حاصل کرنے کی توفیق ملے۔ اس کے لئے میں آج چند ایسی باتیں بھی بیان کرتا ہوں جن کو ہر ابتدائی حالت والا انسان عمل میں لا سکتا ہے اور گو وہ معمولی نظر آتی ہیں لیکن درحقیقت بہت بڑی ہیں اور ان سے بڑے بڑے نتائج پیدا ہوتے ہیں ان میں سے ایک بات تو وہ ہے جو گزشتہ خطبہ میں میں نے بتائی تھی۔ کہ انسان دعا کرتے ہوئے اس بات پر کامل ایمان رکھے کہ میں خدا کے حضور سے کبھی نا امید نہیں ہوں گا۔ اور کبھی تہی دست نہیں پھروں گا لیکن اگر کوئی انسان دعا تو کرتا ہے مگر اس کا دل کہتا ہے کہ تیری دعا قبول نہیں ہوگی تو واقعہ میں اس کی دعا قبول نہیں ہوگی۔ اس لئے ہر ایک انسان اس یقین سے دعا مانگے کہ خدا تعالےٰ ضرور سنے گا اور قبول کرے گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم انسانوں میں دیکھتے ہیں۔ کہ ان کے جو پیارے ہوتے ہیں ان سے جو نیک سلوک کرتا ہے وہ بھی ان کی نظروں میں پیارا معلوم دینے لگ جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی ایک بچہ کو ہلاکت سے بچائے تو اس بچہ کے ماں باپ اس کے شکر گذار ہوں گے اور اسے یہ نہیں کہیں گے کہ تو نے بچہ کو بچایا ہے نہ کہ ہم کو۔ کہ ہم تیرے مشکور ہوں۔ تو یہ محبت کا تقاضا ہے کہ جو چیز کسی کی محبوب ہوتی ہے تو جب اس کو کوئی فائدہ پہنچائے یا اس کی نسبت کوئی اچھی بات کہے تو محب کے دل میں اس کی بھی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی گر دعا میں بھی انسان استعمال کر سکتا ہے۔ اللہ تعالےٰ کو اس سے بہت زیادہ محبت انسانوں سے ہوتی ہے۔

جو بندوں کو بندوں سے ہوتی ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ محبت کی بنیاد تعلق پر ہوتی ہے۔ چونکہ بندوں کا ایک دوسرے کے ساتھ ابتداء کے لحاظ سے بھی اور انتہاء کے لحاظ سے بھی عارضی تعلق ہوتا ہے اس لئے ان کی محبت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو۔ پھر بھی خدا کی محبت سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ کیونکہ خدا تعالٰے کی محبت دائمی اور ہمیشہ کے لئے ہے۔ ایک جنگ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ کفار کو شکست ہو چکی تھی۔ صحابہ قیدیوں کو۔ مال اسباب وغیرہ جمع کر رہے تھے پکڑ دھکڑ شروع تھی کہ ایک عورت بھاگی بھاگی پھرتی نظر آئی۔ وہ جس بچہ کو دیکھتی۔ اُسے پکڑ کر پیار کرتی اور پھر دیوانہ وار آگے چل پڑتی۔ اسی طرح چلتے چلتے اُسے اپنا بچہ مل گیا۔ جسے اس نے پکڑ کر چھاتی سے لگا لیا۔ اور آرام سے بیٹھ گئی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا۔ کیا تم نے اس عورت کو دیکھا۔ اپنے بچے کی محبت سے کس طرح بے تاب ہو رہی تھی۔ اللہ تعالٰے کو اپنے بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت اور پیار ہے[1] تو خدا تعالٰے کی محبت انسانوں کی محبت سے بہت زیادہ ہے پس جس طرح اگر کوئی کسی انسان سے محبت کرتا ہے۔ تو اس کے محب کے دل میں اس کی بھی محبت اور الفت پیدا ہو جاتی ہے اسی طرح اللہ تعالٰے کے بندوں پر اگر کوئی احسان۔ مروّت اور رحم کرے تو اللہ تعالٰے بھی اس پر رحم کرتا ہے تو دعاؤں کی قبولیت کا ایک طریق یہ بھی ہے۔ کہ جب کوئی اہم معاملہ درپیش ہو اور اس کے لئے دعا کرنی ہو تو اس وقت کسی ایسے انسان کے جو کسی قسم کے دُکھ اور تکلیف میں ہو۔ دکھ کو دور کیا جائے یا دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ جب کوئی شخص خدا تعالٰے کے کسی بندے سے ایسا سلوک کرے گا۔ تو اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ اس کے دکھ کو دور کر دے گا۔ کیونکہ اس نے اس کے ایک بندہ کا دکھ دور کیا تھا یہ بہت اعلیٰ طریق ہے۔ دعا کرنے سے پہلے کوئی ایسا شخص تلاش کرنا چاہیئے جو کسی مصیبت اور تکلیف میں ہو۔ خواہ وہ تکلیف جانی ہو یا مالی۔ عزّت کی ہو یا آبرو کی کسی قسم کی ہو۔ تم کوشش کرو۔ کہ دور ہو جائے آگے دور ہو یا نہ ہو اس کے تم ذمہ وار نہیں ہو۔ تم اپنی ہمت اور کوشش کے مطابق زور لگا دو۔ اس کے بعد خدا تعالیٰ کے حضور جاؤ اور جا کر اپنے مدعا کے لئے دعا کرو۔ اس طریق کی دعا بہت حد تک قبول ہو جائے گی۔ تم خدا تعالٰے کے کسی بندے کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے جس قدر توجہ کرو گے۔ خدا تعالٰے تمہاری تکلیف دور کرنے کے لئے اس سے بہت زیادہ توجہ فرمائے گا۔

---

[1] بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الولد

اور کیا سمجھتے ہو کہ خدا تعالےٰ کی توجہ بھی بے نتیجہ ہو سکتی ہے۔ ہر گز نہیں ممکن ہے کہ تم جس انسان کی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرو۔ اس میں تمہیں کامیابی نہ ہو کیونکہ تم بندے ہو اور کسی بندے کے اختیار میں نہیں کہ جو کچھ کرنا چاہے اس میں کامیاب بھی ہو جائے۔ لیکن خدا تعالےٰ کی وہ ذات ہے کہ وہ جس بات کو کرنا چاہے۔ وہ ضرور ہی ہو جاتی ہے۔ اس لئے تم کبھی یہ خیال مت کرنا کہ چونکہ تمہاری کوشش کامیاب نہیں ہوئی اس لئے خدا تعالےٰ بھی تمہاری دعا قبول نہیں کرے گا۔ کیونکہ جب خدا تعالےٰ تمہارا کام کرنے کا ارادہ کرے گا تو وہ ضرور ہو جائے گا۔ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے۔ جس طرح چاہتا ہے ان سے کام لے لیتا ہے۔ پس تم اس طریق کو ضرور استعمال کرو۔ اس کے علاوہ :۔

تیسرا طریق یہ ہے کہ وہ انسان جو اس درجہ کو نہ پہنچے ہوں کہ خدا تعالیٰ خود انہیں دعائیں سکھائے اور بتائے کہ یہ دعا کرو اور یہ نہ کرو۔ وہ دعا کرنے سے پہلے کثرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وہ انسان ہیں جو خدا تعالےٰ کے حضور تمام بنی نوع انسان سے زیادہ مقبول ہیں۔ خواہ وہ آپ سے پہلے گذرے یا بعد میں ہوئے۔ یا آئندہ آئیں گے ہر ایک انسان کی نظر میں اس کا استاد یا اس کے خاندان کا بزرگ بڑا ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ رنجیت سنگھ کے مرنے پر بڑا واویلا مچا ہوا تھا۔ پاس سے ایک چوہڑا گذر رہا تھا۔ اس نے کسی کو کہا۔ اتنی بڑی کیا آفت آگئی ہے کہ سارا شہر پاگل بنا ہوا ہے۔ اس نے کہا۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ مر گیا ہے۔ یہ سنکر وہ ایک ٹھنڈا سانس کھینچ کر کہنے لگا۔ باپو جی جیسے مر گئے تو رنجیت سنگھ کون تھا جو نہ مرتا۔ گویا اس کے نزدیک باپو جی اتنی حیثیت رکھتے تھے کہ رنجیت سنگھ جو اپنے وقت کا بادشاہ تھا کچھ حقیقت نہ رکھتا تھا۔ یہ اس کے دل میں وہی جذبہ کام کر رہا تھا۔ جو اپنے بزرگوں کی محبت اور الفت کا ہر ایک انسان میں ہوتا ہے۔ مذاہب میں بھی یہی بات پائی جاتی ہے۔ دیکھو باوجود اس کے کہ حضرت مسیحؑ حضرت موسیٰؑ کے خلفاء میں سے ایک خلیفہ تھے مگر اس محبت اور الفت نے جو اپنے استاد یا بزرگ سے ہوتی ہے عیسائیوں کو ایسا مجبور کیا۔ کہ انہوں نے ان کو حضرت موسیٰؑ سے بہت زیادہ بڑھا دیا۔ تو میں نے جو یہ کہا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے آنے والوں اور اپنے سے بعد میں آنے والوں میں سے سب سے بڑے اور سب سے زیادہ

شان رکھنے والے ہیں۔ ان میں میں نے حضرت مسیح موعودؑ کو بھی شامل کر لیا ہے حضرت مسیح موعود اپنے موجودہ درجہ میں ہوں یا اس سے بھی بڑے درجہ میں تو بھی آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم اور غلام ہی کی حیثیت رکھتے ہیں کیونکہ آپ کا قرب اور درجہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل ہے۔ اور آپ ہی کی وجہ سے حاصل ہوا ہے۔

میں نے بتایا ہے کہ حقیقی محبت استثناء کرتی ہے۔ یعنی جس سے تعلق ہو۔ اس کو دوسروں سے بڑھ کر دکھاتی ہے۔ مگر ہم کو جس انسان سے اس زمانہ میں نور ملا ہے ہم اس کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ اور علی الاعلان کہتے ہیں کہ سب انسانوں کی نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا مقام اعلیٰ اور ارفع ہے اور آپ ایک ایسے مقام پر ہیں کہ گویا سب سے علیحدہ ہو کر ایک اکیلے نظر آجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کلمۂ توحید کے ساتھ آپ کا نام بھی رکھ دیا ہے۔ ایسے انسان کی نسبت جو درود بھیج کر خدا تعالےٰ سے برکات چاہے۔ خدا تعالےٰ کی رحمت جوش میں آکر اس پر فضل کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ بات احادیث سے ثابت ہے[1] (وقت کی کمی کی وجہ سے میں یہ نہیں بیان کر سکتا۔ کہ جو طریق میں بیان کر رہا ہوں ان کو میں نے کس آیت اور کس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ مگر اتنا بتا دیتا ہوں۔ کہ یہ سب باتیں قرآن کریم اور احادیث سے لی گئی ہیں) تو دعا کے قبول ہونے کے ساتھ درود کا بڑا تعلق ہے۔ وہ انسان جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر دعا کرتا ہے اس کی ہر ایک ایسے انسان سے بڑھ کر دعا قبول ہوتی ہے جو بغیر درود کے کرے۔

انعام دینے کا یہ بھی ایک طریق اور رنگ ہوتا ہے کہ اپنے پیارے اور محبوب کی وساطت اور وسیلہ سے دیا جائے۔ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تمام انعامات کا وارث کرنے اور سب سے بڑا رتبہ عطا کرنے کے لئے اس طریق سے بھی کام لیا ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر دعا مانگیں گے ان کی دعائیں زیادہ قبول ہوں گی۔ دنیا میں کونسا انسان ہے جسے خدا تعالےٰ کی ضرورت نہیں۔ ہر ایک کو ہے۔ اس لئے ہر ایک ہی اپنی مصیبت کے دور ہونے اور حاجت کے پورا ہونے کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا کرے گا۔ اور جب

---

[1] ترمذی ابواب السفر باب الثناء علی اللہ والصلوٰۃ علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دعا کرے گا۔ تو اگرچہ وہ پہلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کا عادی نہ ہوگا لیکن اپنی دعا کے قبول ہونے کے لئے درود بھیجے گا۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیٔ درجات کا موجب ہوگا اور اس طرح اسے بھی انعام مل جائے گا غرض خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کی دعائیں قبول کرنے کے لئے ایک بات یہ بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیج کر پھر دعا کی جائے اور یہ کوئی ناروا بات نہیں۔ یہ اسی طرح کی ہے کہ جو محبوب سے اچھا سلوک کرتا ہے وہ بھی محب کا محبوب ہوجاتا ہے۔

چوتھا گُر یہ ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کی حمد کرے۔ یہ بھی ایک عام طریق ہے جو اسلام کی تعلیم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ اور فطرت انسانی میں بھی پایا جاتا ہے دیکھو فقرا جب کچھ مانگنے آتے ہیں تو جس سے مانگتے ہیں اس کی بڑی تعریف کرتے ہیں۔ کبھی اسے بادشاہ بناتے ہیں کبھی اس کی بلند شان ظاہر کرتے ہیں کبھی کوئی اور تعریفی کلمات کہتے ہیں۔ حالانکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اس میں وہ کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی۔ مگر مانگنے والا اس طرح کرنا ضرور ہے اور ساتھ ہی اپنے آپ کو بڑا محتاج اور سخت حاجتمند بھی ظاہر کرتا ہے کیونکہ سمجھتا ہے کہ اس طرح کرنے سے میں اپنے مخاطب کو رحم اور بخشش کی طرف متوجہ کرلوں گا اور اللہ تعالےٰ کی تو جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ کم ہوتی ہے کیونکہ وہی سب خوبیاں اپنے اندر رکھتا ہے۔ اور اسی لئے دوسرے لوگوں کی جو تعریف ہوتی ہے وہ سچی اور جھوٹی دونوں طرح کی ہوسکتی ہے مگر خدا تعالےٰ کی جو تعریف بھی کی جائے وہ سب سچی ہی ہوتی ہے۔ اس لئے جب کبھی دعا کی ضرورت ہو تو دعا کرنے سے پہلے خدا تعالیٰ کی حمد کرلینی چاہیئے۔ چنانچہ سورۂ فاتحہ سے ہمیں یہ نکتہ معلوم ہوتا ہے۔ سورۃ فاتحہ وہ سب سے بڑی دعا ہے جو خدا تعالےٰ نے اپنے بندوں کو سکھائی ہے۔ اور ہر روز کئی بار پڑھی جاتی ہے اس میں پہلے خدا نے یہی رکھا ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فرمایا ہے۔ اس میں یہی گُر سکھایا گیا ہے۔ کہ جب کوئی دعا کرنے لگو تو پہلے کثرت سے خدا تعالےٰ کی حمد کرلو۔ (حمد تمام خوبیوں اور پاکیزیوں کے جمع ہونے اور سب نقصوں

اور کمزوریوں سے منزہ سمجھنے کا نام ہے۔ اس لئے تسبیح بھی اس میں شامل ہے۔ اور یہ بھی ایک قسم کی حمد ہی ہوتی ہے۔ خدا تعالےٰ کی حمد کر کے دعا کرنے سے بہت زیادہ دعا قبول ہوتی ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ دعا کرنے سے پہلے خدا تعالےٰ کی حمد کرے اس کی عظمت اور جلال کا اقرار کرے اور اس کی تعریف بیان کرے۔ اس طرح دعا بہت زیادہ قبول ہو جاتی ہے۔ وجہ یہ کہ چونکہ بندہ خدا تعالےٰ کی صفات کو بیان کرتا اور اپنے آپ کو بالکل ہیچ ظاہر کرتا ہے۔ اس لئے وہ خدا جو رحمٰن۔ رحیم۔ مالک۔ خالق۔ قادر ہے اور جس کے خزانوں میں کبھی کمی نہیں آسکتی۔ اس کی دعا کو قبول کر لیتا ہے۔ جب ایک انسان کسی انسان کے سامنے اپنے آپ کو محتاج پیش کرتا اور اس کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔ تو اسے رحم آجاتا ہے اور وہ اس کی کچھ نہ کچھ مدد کر دیتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ کے حضور جب کوئی انسان اپنی حالتِ زار گوش گزار کرے۔ اور اس کی حمد و تعریف بیان کرے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ اس کی دعا کو ردّ کر دے۔ پس جب کوئی انسان خدا تعالےٰ کی صفات کو بیان کر کے کچھ مانگتا ہے تو خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ میرا یہ محتاج بندہ جو کچھ مانگتا ہے وہ اسے دیا جائے۔ جس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے سے خدا تعالےٰ کی محبت جوش میں آتی ہے۔ اسی طرح حمد کرنے سے اس کی غیرت جوش میں آتی ہے۔ درود پڑھنے سے تو خدا تعالےٰ یہ کہتا ہے کہ یہ بندہ چونکہ ہمارے پیارے بندہ کے لئے دعا کرتا ہے کہ اس پر فضل کیا جائے اس لئے مَیں اس پر بھی فضل کرتا ہوں اور حمد کرنے کے وقت کہتا ہے کہ یہ میرا بندہ جو میری صفات بیان کر رہا ہے مَیں اس پر اپنی صفات ظاہر بھی کر دیتا ہوں تا اس کو عملی طور پر معلوم ہو جائے۔ کہ جو کچھ وہ میرے متعلق کہتا ہے وہ سب درست ہے۔ تو حمد خدا تعالےٰ کی سب صفات کو جوش میں لے آتی ہے اور سب صفات جمع ہو کر ایک طرف جھک جاتی ہیں تا کہ اس بندہ کا کام کر دیں۔

اس کے علاوہ دعا کی قبولیت کے لئے یہ بھی یاد رکھو کہ دعا کرنے سے پہلے اپنے کپڑوں اور بدن کو صاف کرو۔ گو ہر ایک دعا کرنے والا نہیں سمجھتا اور نہ محسوس کرتا ہے مگر جو محسوس کرتے یا کر سکتے ہیں ان کا تجربہ ہے کہ جب انسان دعا کرتا ہے تو اسے خدا تعالےٰ کا ایک قرب حاصل ہو جاتا ہے اور اس کی روح اللہ تعالےٰ کے حضور کھنچی جاتی ہے گو دیکھنے والے کو معلوم نہیں ہوتا کہ خدا نظر آرہا ہے مگر

جس طرح خواب میں روح کو جسم سے آزاد کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اس وقت خدا تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کے لئے روح الگ کی جاتی ہے۔ چونکہ روح کی صفائی جسم کی صفائی سے تعلق رکھتی ہے۔ اور روح کی ناپاکی جسم کی ناپاکی سے۔ اس لئے اگر جسم ناپاک ہو تو روح پر بھی اس کا ناپاک ہی اثر پڑتا ہے۔ اور اگر جسم پاک ہو تو روح پر بھی اس کا پاک ہی اثر پڑتا ہے۔ ایک واقعہ لکھا ہے۔ واللہ اعلم کہاں تک درست ہے مگر ہے نتیجہ خیز۔ لکھا ہے کسی شہزادی نے ایک معمولی شخص سے شادی کر لی۔ جب وہ دونوں خلوت میں جمع ہوئے تو چونکہ مرد نے کھانا کھا کر ہاتھ نہ دھوئے تھے اس لئے ہاتھوں کی بو سے اسے اتنی تکلیف ہوئی کہ اس نے کہا اس کے ہاتھ کاٹ دو۔ چنانچہ اس کے ہاتھ کاٹ دیئے گئے۔ تو خدا تعالیٰ پر کسی کے گندہ اور ناپاک ہونے کا کوئی اثر نہیں ہو سکتا۔ مگر خدا تعالیٰ ہر ایک گند اور ہر ایک ناپاکی کو سخت ناپسند کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تمام عبادتوں کے لئے صفائی کی شرط ضروری قرار دی ہے جس طرح وہ شخص جو پیشاب سے بھرے ہوئے کپڑوں کے ساتھ کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح وہ دعائیں جو ایسی حالت میں کی جائیں وہ بھی قبول نہیں ہوتیں۔ بلکہ جب کوئی انسان گندی حالت میں خدا کے حضور پیش ہوتا ہے تو بجائے فائدہ اٹھانے کے وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ یہی سرّ ہے کہ صوفیاء نے دعائیں کرنے کا لباس الگ بنا رکھا ہوتا ہے جسے خوب صاف ستھرا رکھتے اور خوشبوئیں لگاتے ہیں۔ تو دعا کے قبول ہونے کا یہ بھی ایک طریق ہے کہ دعا کرنے سے پہلے انسان اپنے کپڑوں کو صاف ستھرا کر لے۔ جو شخص غریب ہے وہ اس طرح کر سکتا ہے کہ ایک الگ جوڑا بنا رکھے اور اسے صاف کر لیا کرے۔ اس طرح دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

پھر دعا کی قبولیت کے لئے ایک اور طریق ہے اور وہ یہ کہ دعا کے لئے ایک ایسا وقت اور جگہ انتخاب کرے جہاں خاموشی ہو۔ مثلاً اگر دن کا وقت ہے تو جنگل میں کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں سمجھے کہ کوئی میرے خیالات میں خلل انداز نہیں ہو سکے گا یا رات کے وقت جبکہ سب لوگ سوئے ہوئے ہوں دعا کرے۔ اس طرح یہ ہوتا ہے کہ خیالات پراگندہ نہیں ہونے پاتے۔ جب کسی ایسی جگہ یا ایسے وقت دعا کی جاتی ہے کہ ادھر سے آوازیں آتی رہتی ہیں تو دعا کی طرف خاص توجہ نہیں ہو سکتی اس طرح

توجہ کبھی کسی طرف چلی جاتی ہے اور کبھی کسی طرف۔ چونکہ انسان کی طبیعت میں تجسس کا مادہ ہے۔ اس لئے ذراسی آواز آنے پر جھٹ ادھر متوجہ ہو جاتا ہے تا معلوم کرے کہ کیا ہوا ہے۔ اس سے بچنے کے لئے وہ لوگ جن کو جلوت سے خلوت میسّر نہیں آسکتی یا آتی ہے مگر بہت تھوڑی دیر کے لئے۔ وہ ایسے وقت دعا کریں جبکہ خاموشی ہو یا ایسی جگہ کریں جہاں کسی قسم کا شور نہ ہو۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھا ہے آپ جنگل میں تنہا چلے جایا کرتے تھے۔ اس بات کا علم اکثر لوگوں کو نہیں ہے مگر آپ اس راستہ سے جو میاں بشیر احمد کے مکان کے پاس سے گزرتا ہے دس بجے کے قریب سیر کو جانے کے علاوہ اکیلے بھی جایا کرتے تھے۔ ایک دن جو آپ جانے لگے تو میں بھی آپ کے ساتھ چل پڑا۔ تھوڑی دور چلے تو واپس لوٹ آئے اور مسکرا کر فرمانے لگے۔ پہلے تم جانا چاہتے ہو تو ہو آؤ۔ میں بعد میں جاؤنگا اس سے میں سمجھ گیا کہ آپ اکیلے جانا چاہتے تھے۔ میں واپس آگیا۔ غرضیکہ علیحدہ جگہ اور خاموش وقت میں خاص توجہ سے دعا کی جاسکتی ہے۔ کیونکہ توجہ کے لئے کوئی بیرونی روک نہیں ہوتی اس لئے طبیعت کا زور ایک ہی طرف لگتا ہے۔ اور جیسا کہ میں نے کسی گزشتہ خطبہ میں بتایا تھا جب تمام زور ایک طرف لگتا ہے تو اپنے راستہ کی ہر ایک روک کو بہا کر لے جاتا ہے۔

پھر ایک یہ بھی طریق ہے کہ جب کوئی انسان کسی معاملہ کے متعلق دعا کرنے لگے تو پہلے اپنے نفس کی کمزوریوں کا مطالعہ کرے۔ اور اتنا مطالعہ کرے اتنا کرے کہ گویا اس کا نفس مر ہی جائے اور اسے اپنے نفس سے گھن آنی شروع ہو جائے اور نفس کہہ اٹھے کہ تو بغیر کسی بالا دست ہستی کی مدد اور تائید کے خود کسی کام کا نہیں ہے۔ اور کچھ نہیں کر سکتا۔ جب نفس کی یہ حالت ہو جائے تو دعا کی جائے ایسی حالت میں جس طرح ایک بے دست و پا بچہ کی ماں باپ خبر گیری کرتے ہیں اسی طرح خدا تعالےٰ بھی اپنے بندے کی کرتا ہے۔ ماں باپ کو دیکھو۔ جب بچہ بڑا ہو جاتا ہے تو اسے کہتے ہیں خود کھاؤ پیو۔ مگر دودھ پیتے بچہ کی ہر ایک ضرورت اور احتیاج کا انہیں خود خیال اور فکر ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے حضور بھی انسان کو اپنے نفس کو اسی طرح ڈال دینا چاہیئے۔ جس طرح دودھ پیتا بچہ ماں باپ کے آگے ہوتا ہے لیکن اگر نفس فرعون ہو اور اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہو تو اس کی کوئی بات قبول نہیں ہو سکتی۔ اس لئے سب سے پہلے انسان کو چاہیئے کہ اپنے نفس کو بالکل گرا دے

یہ بندے اور خدا میں تعلق پیدا ہونے کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور اس سے دعا بہت زیادہ قبول ہوتی ہے۔

ایک یہ بھی طریق ہے کہ جب انسان دعا کرنے لگے تو اللہ تعالےٰ کے انعامات کو اپنی آنکھوں کے سامنے لے آئے۔ کیونکہ انسان کو خواہش اور امید کام کروایا کرتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کے انعامات کے دیکھنے کے لئے سر سے لے کر پاؤں تک خوب غور کرے اور دیکھے کہ اگر میری فلاں چیز نہ ہوتی تو مجھے کس قدر تکلیف اور نقصان ہوتا۔ مثلاً اس طرح نقشہ کھینچے کہ اگر میرے ہاتھ نہ ہوتے اور کوئی دوست مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھاتا تو میں کیا کرتا۔ یا پیاس لگی ہوتی تو پانی کس طرح پی سکتا۔ پیشاب کرنا ہوتا۔ تو ازار بند کس طرح کھولتا۔ اور پھر باندھ سکتا۔ غرضکہ اسی طرح ہر ایک چیز کو دیکھے۔ یہاں تک کہ خدا تعالےٰ کے انعام اور فضل کا ایسا نقشہ کھینچے کہ اس کا رُواں رُواں خدا کی محبت اور الفت سے پُر ہو جائے۔ اس وقت اس کے دل میں جوش اور شوق سے امید ایک ایسی لہر مارے گی کہ وہ جو دعا کرے گا وہ قبول ہو جائے گی۔ کیونکہ جب وہ دیکھے گا کہ مجھے خدا تعالےٰ نے بغیر مانگے اور سوال کئے اس قدر انعامات دے رکھے ہیں تو مانگنے سے کیوں نہ دے گا۔ جب اس کو یہ یقین حاصل ہو جائے گا تو جو مانگے گا وہ مل جائیگا۔

ایک طریق یہ بھی ہے کہ جس طرح خدا تعالےٰ کے انعامات کو نظر کے سامنے لانا چاہیئے۔ اسی طرح اس کے غضب کو سامنے لایا جائے۔ اور جس طرح یہ سوچا تھا کہ اگر میرا فلاں عضو نہ ہوتا تو کیا ہوتا۔ اسی طرح یہ سوچے کہ یہ انعام جو مجھے دیئے گئے ہیں یہ چھین لئے جائیں۔ تو پھر کیا ہو؟ اور یہ بھی دیکھے کہ بہت سے لوگ تھے جن پر میری طرح ہی خدا تعالےٰ کے انعام تھے مگر ان سے چھین لئے گئے اس بات کے لئے تباہ شدہ گھر اور ہلاک شدہ بستیاں یا اپنے جسم کا ہی کوئی تباہ شدہ حصّہ کافی سبق دے سکتا ہے۔ وہ اسے دیکھے اور پھر دعا کرے یہ دعا خوف اور طمع کی دعا ہوگی۔ جس کو قرآن کریم نے بھی بیان کیا ہے۔ ایک طرف اس کے خوف ہوگا اور دوسری طرف طمع۔ یہ دو دیواریں ہوں گی۔ جو اسے دنیا سے کاٹ کر اللہ کی طرف مائل کر دیں گی۔ اور اس طرح اس کی دعا قبول ہو جاتی ہے۔

پھر جب کوئی شخص دعا کرنے لگے۔ تو اپنی حالت کو حیرت بنائے۔ کیونکہ

جسطرح نفس مُردہ ہو تو اس کا اثر جسم پہ پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر جسم مردہ ہو۔ تو اس کا اثر نفس پہ پڑتا ہے۔ جب کوئی سستی کی حالت اختیار کرتا ہے تو اس کے نفس پر بھی سستی چھا جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میں قیام۔ رکوع۔ سجدہ وغیرہ جتنی حالتیں رکھی گئی ہیں وہ سب چستی کی رکھی ہیں۔ تو جسم کی سستی کا اثر روح پر اور خیالات پر ہوتا ہے۔ اس لئے دعا کرنے کے وقت انسان کو چستی کی حالت میں ہونا چاہیئے۔ یہ نہ ہو کہ سجدہ میں جائے تو کہنیاں زمین پر گرا دے۔ مجھے ہمیشہ اس بات کا شوق لگا رہتا ہے کہ میں شریعت کے ہر ایک چھوٹے سے چھوٹے حکم میں بھی معلوم کروں کہ کیا حکمت ہے۔ اس وجہ سے میں نے اس بات پر غور کرنے کے لئے کہ یہ کیوں حکم ہے کہ سجدہ کرتے وقت کہنیاں زمین پر نہ گرائی جائیں۔ نوافل میں کہنیاں گرا کر دیکھا ہے۔ اس سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ اگر پہلے بڑے زور سے دعا ہو رہی ہو تو اس طرح کرنے سے رک گئی ہے۔ اور جب کہنیاں اٹھائی ہیں تو پھر وہی حالت پیدا ہو گئی ہے۔ جو پہلے تھی۔ تو دعا کرتے وقت چستی ہونی چاہیئے۔ اور وہ چستی جوا بدر کی چستی ہوتی ہے نہ کہ کوئی اور۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زبان سے دعا زیادہ عمدگی سے نکلتی ہے اور مختلف پیرایوں میں دعا کرنے کی توفیق ملتی ہے۔

پھر ایک طریق یہ بھی ہے کہ جب کسی اہم امر کے متعلق دعا کرنے لگو تو اس سے پہلے چند اور دعائیں کر لو۔ اور پھر اصل دعا کرو۔ خدا تعالےٰ نے انسان کے لئے یہ بات رکھی ہے کہ اس کا ہر ایک کام آہستگی سے شروع ہوتا ہے اور جب وہ شروع ہو جاتا ہے تو پھر ترقی کرتا جاتا ہے۔ گویا اس کے کاموں میں تیزی آہستہ آہستہ پیدا ہوتی ہے نہ کہ یکلخت۔ اس لئے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی مقصد کے لئے دعا کرتا ہے لیکن کچھ عرصہ بعد کامیابی نہ دیکھ کر کرنے سے رہ جاتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ چاہتا ہے کہ جلدی دعا قبول ہو جائے حالانکہ وہ جلدی نہیں ہونے والی ہوتی۔ اس لئے بہتر یہ ہے کہ کسی اہم معاملہ کے متعلق دعا کرنے سے پہلے اور دعائیں کی جائیں۔ جب ان کی وجہ سے ان میں تیزی اور چستی پیدا ہو جائے گی۔ اور اس کے خیالات بلند ہو جائیں گے اس وقت اپنے خاص مقصد کو خدا تعالےٰ کے حضور پیش کر دے۔ اس کے لئے ایک اور بہتر طریق یہ بھی ہے کہ انسان پہلے ایسی دُعائیں مانگے جنہیں خدا تعالےٰ ضرور قبول کر لیتا ہے۔ دفاتر میں جو ہوشیار کلرک

ہوتے ہیں وہ اسی طرح کیا کرتے ہیں کہ اگر ان کا منشاء ہو کہ ہمارا افسر فلاں درخواست کو نامنظور کرے تو اس کے سامنے چار پانچ ایسی درخواستیں پیش کر دیتے ہیں جن کے متعلق انہیں پورا یقین ہو کہ نامنظور کی جائیں گی جب افسران کو نامنظور کر چکیا ہے اور خاص طور پر برافروختہ ہوتا ہے تو نامنظور کرانے والی کوشش کر دیتے ہیں اس طرح وہ بھی نامنظور ہو جاتی ہے۔ اور جب کسی درخواست کے متعلق ان کا یہ منشاء ہو کہ منظور ہو جائے۔ تو پہلے ان امور کو پیش کرتے ہیں جن سے افسر خوش ہو جائے جب دیکھتے ہیں کہ خوش ہے تو اسے بھی پیش کر دیتے ہیں اور اس طرح وہ منظور ہو جاتی ہے۔ اس طرح کام کرنے والے اور ہوشیار کلرک کیا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی نکتہ نواز ہے۔ افسر کبھی نوجوان بوجھ کر بھی کسی نامنظور کرنے والی درخواست کو منظور کر لیتا ہے کہ اس نے چونکہ ہمیں خوش کیا ہے اس لئے ہم بھی اس کو خوش کر دیں۔ لیکن کبھی وہ نادانی سے ایسا کر بیٹھتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی شان ہی ایسی ہے۔ کہ اس کو کبھی دھوکہ نہیں لگ سکتا۔ اس لئے وہ خوشی ہی ہو کر بات قبول کرتا ہے۔ پس کسی خاص معاملہ کے قبول کرانے کے لئے پہلے ایسی دعائیں کرنی چاہئیں۔ جن کو خدا تعالیٰ نے قبول ہی کر لینا ہو۔ مثلاً یہ کہ الٰہی دین اسلام کی بڑے زور شور سے اشاعت ہو۔ تیرا جلال اور قدرت ظاہر ہو۔ تیرے انبیاء کی عزت اور توقیر بڑھے۔ خدا تعالیٰ کہے گا ایسا ہی ہو۔ اس طرح دعائیں کرتے کرتے اپنا مقصد بھی پیش کر دیں۔ کہ الٰہی یہ بات بھی ہو جائے۔ تو دعا قبول کرانے کا ایک یہ بھی طریق ہے۔ اس طرح کرنے سے تیزی اور چستی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے دعا نہایت عمدگی اور خوبی سے کی جا سکتی ہے اور دوسرے سے خدا تعالیٰ خوش ہو جاتا ہے اور جب اس کے خوش ہونے کی حالت میں دعا پیش کی جائے گی تو وہ ضرور قبول ہو جائے گی۔

ایک طریق یہ ہے کہ ایسی جگہ دعا مانگی جائے جو بابرکت ہو۔ کیونکہ جگہ کا بھی قبولیت دعا سے خاص تعلق ہوتا ہے۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دنیا کی کسی چیز کا کوئی اثر اور کوئی حرکت ایسی نہیں ہوتی جو ضائع جاتی ہو۔ بلکہ ہر ایک چیز کی خفیف سے خفیف حرکت بھی قائم اور محفوظ رہتی ہے۔ پس جب کسی اچھی چیز سے انسان کا تعلق ہوتا ہے تو اس انسان کا خاص اثر اس پر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مکہ مدینہ اور مسجد اقصیٰ میں نماز

پڑھنے کا کسی اور جگہ پڑھنے سے بہت زیادہ درجہ بنایا ہے[5] کیا وہاں کے پتھر اور گارا کوئی خاص قسم کے ہیں نہیں بلکہ جگہیں برکت والی ہیں اور جوان میں نماز پڑھتا ہے اس پر اچھا اثر ہوتا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ انسان سے برکت چلی جاتی ہے۔ قومیں بے برکت ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ یہ اپنی نادانی اور بیوقوفی سے اس دُرِّ بے بہا کو کھو دیتی ہیں۔ مگر بے جان اشیاء میں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت ڈالی جاتی ہے وہ کبھی نہیں جا سکتی اور ہمیشہ کے لئے رہتی ہے سوائے نہایت خاص وجوہ کے یا خطرناک بداعمالی کے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ۔ (الرعد: ۱۲) کہ جب خدا تعالیٰ کسی قوم پر احسان اور فضل کرتا ہے تو اس وقت تک اس میں تغیر نہیں کرتا اور اسے نہیں ہٹاتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت میں تغیر نہ پیدا کرے تو انسان اپنی بداعمالیوں اور بدافعالیوں کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے فضل کو اپنے اُوپر سے بند کر لیتا ہے۔ لیکن ایک بے جان چیز ایسا نہیں کر سکتی۔ اس لئے اس پر ہمیشہ کے لئے فضل قائم رہتا ہے۔ دیکھو مدینہ کے لوگ اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ایسے ہو گئے ہیں کہ جس طرح وہاں کے لوگوں کی دعائیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت پوری ہوتی تھیں اس طرح آج ان کی نہیں ہوتیں۔ مکّہ کے رہنے والوں کی بھی یہی حالت ہے۔ وہاں آج بھی دعائیں قبول ہونے کا ویسا ہی اثر ہے جیسا کہ پہلے تھا کیونکہ وہاں کی اینٹیں گارا اور زمین نہیں بگڑی بلکہ آدمی بگڑ گئے ہیں۔ تو جن جگہوں پر خدا تعالیٰ کا فضل نازل ہو جاتا ہے وہ پھر کبھی نہیں رکتا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کا خزانہ ایسا وسیع ہے کہ جس کے خالی ہونے کا کبھی خیال بھی نہیں آسکتا جن مقامات پر خدا تعالیٰ نے فضل کر دیا ہے پھر ان سے کبھی منفصل نہیں ہوتا۔ اس لئے خاص مقامات میں دعا خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ جب دعا کرنے لگے تو ایسے ہی مقام کو چن کر کرے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ایک مصلیٰ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ میں جب کبھی اس مصلے پر بیٹھ کر دعا کرتا ہوں۔ خاص طور پر قبول ہوتی ہے۔ تو خاص اشیاء میں خاص برکت کی وجہ سے خاص ہی اثر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم

---

[5] بخاری کتاب الصلوٰۃ فی مسجد مکۃ والمدینۃ باب لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد۔

نے اس بات کو پسند فرمایا ہے اور صحابہؓ کرام نے اس پر عمل کیا ہے کہ گھر میں نماز پڑھنے کے لئے ایک خاص جگہ معین کر دیتے تھے۔ جہاں سوائے عبادت کے اور کام نہیں کئے جاتے تھے[1]۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی بیت الدعا بنایا ہُوا تھا تو یہ بھی دعا کے قبول ہونے کا ایک طریق ہے۔

یہ بہت سے طریق مَیں نے آپ لوگوں کو بتائے ہیں۔ دیر ہوگئی ہے ورنہ مَیں ابھی اور بھی کئی ایک طریق بتا سکتا تھا۔ یہ باتیں گو بظاہر چھوٹی چھوٹی معلوم ہوتی ہیں مگر دراصل چھوٹی نہیں ان کو استعمال کرکے دیکھو تو پتہ لگے گا کہ ان سے کتنے کتنے بڑے نتائج نکلتے ہیں۔ جس طرح ایک ذراسی کشش بدخط سے خوبصورت خط بنا دیتی ہے اسی طرح یہ باتیں دعا کو قبولیت کے درجہ پر پہنچا دیتی ہیں۔

اس زمانہ میں ہمارے لئے بہت مشکلات کا سامنا ہے۔ قسم قسم کے مخالف پیدا ہوگئے ہیں اور قسم قسم کے اعتراض اسلام پر کئے جاتے ہیں ان کے دفعیہ کے لئے ہمیں بہت کوشش اور ہمت کی ضرورت ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ہمارے لئے اور کونسا طریق کامیابی کا ہوسکتا ہے کہ ہم خدا تعالےٰ کے حضور عرض کریں کہ آپ ہی ہماری مدد کیجیے۔ پس آپ لوگ اپنے اعتقاد اپنے اعمال میں خاص اصلاح کر لیں۔ تا تمہارا کھانا۔ پینا۔ چلنا پھرنا۔ سونا جاگنا۔ غرضیکہ ہر سکون اور ہر حرکت اسی کے لئے ہوجائے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ خطبہ میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اس وقت کی کی ہوئی دعا قبول ہوجاتی ہے۔ پھر جمعہ سے مغرب تک ایسا ہی وقت آتا ہے۔ پھر رمضان کے آخری عشرہ میں بھی ایسا موقعہ آتا ہے۔ خدا کے فضل سے آپ لوگوں کو یہ سب موقعے نصیب ہیں۔ اس لئے خوب دعائیں کرو۔ تا خدا تعالےٰ اس مبارک مہینہ کے طفیل اور اس بابرکت پیغام کے طفیل جو تم دنیا کو پہنچانا چاہیئے ہو تمہارے راستہ سے سب روکیں دور کر دے۔ اور تمہیں اس کام کا پورا پورا اہل بنائے۔ جو تمہارے سپرد کیا گیا ہے۔ (آمین)

(الفضل ۸ راگست ۱۹۱۶ء)

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب المساجد و مواقع الصلوٰۃ۔